قرآن کی روشنی میں رتبہ حدیث

(مترجم ——— مدیر تحدیث)

حدیث نبوی سنت کی ان تین قسموں کا نام ہے جو اصطلاحی طور پر قول، تقریر اور عمل سے موسوم ہیں اول الذکر وہ حدیث ہے جو حضور کے فرمان و ارشادات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور آخر الذکر دو قسمیں تقریر و عمل بھی حدیث ہیں جو ہم تک قول ہی کے ذریعہ پہونچی ہیں اور ہم بھی دوسروں تک ان کو قول ہی کے ذریعہ پہونچاتے ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں فلاں نے فلاں سے روایت کی اس نے فلاں سے روایت کی کہ فلاں نے نبی صلعم کے سامنے ایسا و ایسا کیا اور آپ نے اس کو منع نہ فرمایا یعنی اس کو رسول اللہ نے ثابت رکھا لہذا وہ بھی سنت ہے جس پر عمل کرنا چاہئے اور مثلاً کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نماز کی پہلی رکعت کو طول فرماتے تھے اور اپنے نعلین پہنکر نماز پڑھتے تھے۔ اور ایسا کرتے اور ویسا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ عملی قسم بھی قول ہی سے بتائی گئی اور سنت نبویہ ان تینوں قسموں کی جامع ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید کی تشریح و تفسیر میں ان سے کام لیں۔ ایک مسلمان جب تک مسلمان ہے اس کو صرف قرآن تنہا حدیث سے مستغنی نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہندوستان میں "اہل قرآن" اور منکرین حدیث کے گروہ موجود ہیں جن کے بعض افراد ممالک اسلامیہ میں بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کے سب قطعی جاہل و گمراہ ہیں سب ایک ہی وحی کے کافر نہیں بلکہ ایک کے انکار سے دراصل دونوں کے کافر ہیں اور صرف اپنی بیہودی خواہشات کے پیرو ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین ؕ

اے نبی! اگر یہ لوگ تیری باتیں نہ مانیں تو جان لے کہ یہ لوگ صرف اپنی فضول خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور جو شخص بغیر اللہ کی جانب سے کسی ہدایت کے اپنی خواہشات کی پیروی کرے تو اس سے بڑھکر کون گمراہ؟ بلاشبہ اللہ ان ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے شرعی امور میں کچھ نہیں بولتے تھے بلکہ جو کچھ فرماتے تھے وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہوتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا بیان قرآن میں اکثر جگہ ہے لیکن سب مجمل ہے ان کی تشریح بغیر حضور کی سنت کے خواہ آپ کا قول ہو یا عمل یا تقریر محال ہے۔ مثلاً خدا فرماتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) اب اگر رسول اللہ صلعم ہمیں نماز کی پوری کیفیت یعنی قیام، قرأت، رکوع، سجود، جلوس اور توجہ قبلہ وغیرہ وغیرہ نہ بتاتے تو ہم کس طرح فریضۂ نماز ان طریقوں سے ادا کر سکتے تھے جنھیں خدا پسند کرتا ہے اسی طرح زکوٰۃ و روزہ وغیرہ شرعی احکام کی کیفیت ہے کہ قرآن سے صرف اجمالی حکم معلوم ہوتا ہے اس کی تفصیل حدیث رسول کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضروری سنت (حدیث) کی حفاظت کیلئے ایسے عادل حفاظت کرنیوالے ثقہ (قابل اعتبار) لوگوں کو پیدا کیا جنھوں نے اس سنت کو ایسے سچے لوگوں سے جنکی حفاظت و امانت پر اعتبار کیا جاتا ہے نقل کیا اور پایۂ

واضح طور پر بیان کر دیا پھر ایسے عمدہ اصول وضع کر دیئے کہ ہم ان ضعیف و موضوع روایات سے جو صحیح احادیث کے ذخیرہ میں ملا دی گئی ہیں اچھی طرح بچ سکیں۔ اور اس صفائی کے سلسلہ میں ان بزرگ خادمانِ حدیث نے اتنی عظیم الشان کوششیں صرف کیں کہ صحیح کو غیر صحیح سے بالکل ممتاز کر دیا۔ جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم، کوئی ملت اور کوئی مذہب قطعاً نہیں پیش کر سکتا۔

ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو محض لاف زنی کیلئے یا دوسرے لوگوں کی تقلید میں حیرتناک باتیں کہتے ہیں۔ نہیں بلکہ ہم تو یہ چیز آفتاب سے زیادہ روشن یقینی علم کی بنا پر کہتے ہیں۔ اگر کسی کو کچھ شبہ ہو تو وہ ان عادل ثقہ اور حافظانِ حدیث بزرگوں میں کسی کی تاریخ اٹھا کر دیکھے مثلاً محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن الحجاج قشیری کی سعیِ حدیث ہی کو دیکھ لے تو اسوقت وہ ان امامانِ حدیث کی قدر جانے گا اور اسکو پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کی سنت کی حفاظت کا کسقدر خیال ہے تاکہ سنتِ رسول اس کی اس مقدس کتاب کی تشریح و توضیح کر سکے جسکی حفاظت خدا نے جہان والوں پر محبت قائم رکھنے کیلئے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہمیں اس کے محافظ ہیں) اگر خدا تعالیٰ سنتِ نبوی کی اس طرح حفاظت نہ کرتا تو تشریحاتِ نبوی ضائع ہو جاتے اور اگر وہ ضائع ہوتے تو قرآن کریم یقیناً اُن مجمل احکام پر حجت باقی نہ رہتا جنکی مفصل کیفیت صرف سنتِ نبوی (حدیث) سے معلوم ہوتی ہے۔

منکرین حدیث کی جدید نکلی ہوئی جماعت جو سنتِ نبوی کو نعوذ باللہ ذلیل سمجھتی ہے کہتی ہے کہ "ہمارے لئے قرآن کافی ہے" اور جب ان کی گردن مذکورہ بالا دلائل سے دبوچی جاتی ہے تو فرار کیلئے کہتے ہیں کہ ہم عملی سنت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ ان تمام احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کی خواہشات یا ان کی تاریک عقلوں کے موافق نہ ہوں۔ اسی طرح ہمارے بعض بھائی جو بہت سے فنوں میں مشغول رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ علم حدیث سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہر قسم کے غور و فکر سے فارغ ہو جاتے ہیں لیکن کتب حدیث میں غور نہیں کرتے صرف ایک سطحی نظر سے دیکھ لیتے ہیں۔ پس اس قسم کے اصحاب کو جب کسی کتاب کی تالیف یا کسی مسئلے سے بحث کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو چونکہ وہ حقیقتِ حال سے ناواقف ہوتے ہیں لہذا جہاں کوئی حدیث بظاہر ان کے ظن کے خلاف ہوتی ہے وہ اس کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم ایسا نہیں فرما سکتے مثلاً ایک حدیث ہے "ما کذب ابراھیم الا فی ثلث" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین موقعوں پر جھوٹ کہا۔ اب گمان کرنے والوں نے گمان کیا کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس قول کے منافی ہے "واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا" یعنی حضرت ابراہیم سچے نبی تھے۔ حالانکہ وہ حدیث بظاہر اس متفق اصول ہی کی مخالف ہے جس سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ سے معصوم تھے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ گمان کرنیوالے کی سطحی نظر ہے ورنہ یہ کھلی بات ہے کہ حدیث نبوی کسی جزئی میں بھی ہرگز قرآن کی مخالف نہیں ہو سکتی اور نہ کسی متفق اصول قرآنی کے خلاف کوئی حدیث ہے۔

قرآن نے جو حضرت ابراہیم کا واقعہ ذکر کیا ہے وہاں پر خود قرآن نے بھی حدیث کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے خلاف واقعہ جواب کو نقل کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا بل فعلہ کبیرھم ھذا۔ یعنی یہ بت شکنی کا ارتکاب ان بتوں میں بڑے بت نے کیا ہے۔ حالانکہ اس بڑے بت نے نہ کیا تھا بلکہ خود حضرت ابراہیم نے انھیں توڑا تھا۔ اسی طرح قرآن ذکر کرتا ہے کہ جب ان کی قوم نے ان سے میلہ میں جانے کیلئے کہا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا "انی سقیم" یعنی میں بیمار ہوں حالانکہ وہ بیمار نہ تھے

جیسا کہ خود قرآن نے خبر دی۔ پس یہ اہل ظن اصحاب جب قرآنی آیات کی تاویل کریں گے اور اس کے خلاف واقعہ خبر دینے کا عذر کریں گے تو لازمی طور پر یہی معاملہ ان کو حدیث سے کرنا پڑے گا۔ پھر حدیث بھی ایسی معتبر ہے کہ صحیحین میں مروی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی حدیث کو محض اس گمان فاسد پر کہ بظاہر قرآن کے معارض ہے کبھی رد نہیں کیا جا سکتا اور نہ وہ حقیقت میں قرآن کریم کے مخالف ہے قرآن کریم نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ ذکر کیا کہ انہوں نے ایک فعل کی اسناد اس کے حقیقی فاعل کے غیر کیطرف کی لیکن جب یہ خبر اور اس کا اس طرح لانا جھوٹ معلوم ہوتا تھا تو حدیث نے حسب معمول اس کی تصریح کی کہ اس سے جھوٹ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اس قوم سے مذاق کرنا اور ان کو ان کے بت کی اس حقیقت پر کہ نہ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں نہ اور کسی کام کے آگاہ کرنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بت شکنی کی نسبت بڑے بت کی طرف کر کے ان لوگوں کی نظر سے رسم و رواج کا پردہ اٹھانا چاہا ہے جس طرح انہوں نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ تاکہ وہ لوگ بیماری لگ جانے کی وجہ سے ان کو تنہا چھوڑ دیں اور وہ تخلیہ میں اپنا ارادہ پورا کر لیں۔ چنانچہ یہ تمام حیلیں خدا کے لئے اور اس کے دین کو پھیلانے کیلئے چلی گئیں۔ اسی طرح حضرت سارہ کو اپنی بہن صرف اسلئے بتایا کہ ان کی عزت محفوظ رہے۔ اور دوسری نظر سے دیکھی جائے تو وہ حضرت ابراہیم کی اسلامی حیثیت سے واقعی بہن لگتی ہیں۔ (کل مومن اخوۃ)۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت سچے تھے جو دوسری حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے لیکن بعض حدیثوں میں جو ان پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے ان میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

اول۔ آیت قرآنی اور واقعہ کی نوعیت سے ظاہری صورت کذب کی صورت ہے جو حدیثوں میں بھی اسی طرح تعبیر کیگئی۔

دوم۔ کذب کے اس اطلاق سے حضرت ابراہیم کی مدح ہی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ وہ یقیناً سچے تھے۔ یہاں تک کہ ان تین واقعات کے علاوہ کبھی کوئی کذب واقع نہیں ہوا۔ اور یہ حادثات بھی ان کے درجۂ عظیم کیلئے خلت (خدا کی دوستی) اور صدیقیت (سچائی) کا مقام ہے۔ جو حسنات الابرار سیئات المقربین (خدا کے مقرب بندوں کی برائیاں بھی نیکوں کی نیکیاں ہیں) سے تعلق رکھتا ہے۔

سوم۔ اگر کہا جائے کہ خلیل اللہ کی طرف اس کذب کی نسبت سے کذب مذموم کا مفہوم پیدا ہوتا ہے تو یہ غلط ہے اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری تمام وہ آیتیں جن میں حضرت ابراہیم کی صفت صدیقیت ذکر کیگئی ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول اور مخلص دوست تھے اس مفہوم کو روکتی ہیں۔ پھر قرآن، حدیث اور اجماع میں حضرت ابراہیم کی بے شمار خوبیاں اور تعریفیں ہیں جن سے قطعاً خوف نہیں ہوتا کہ صرف ان تین مقامات میں جو بصورت حصر وارد ہیں حضرت ابراہیمؑ کی طرف نسبت کذب کرنے سے نعوذ باللہ کذب مذموم کا تصور ہو سکتا ہے۔

انبیاء کرامؑ کی مسلّم معصومی اور قرآنی آیات ہمارے لئے اس بات پر دلیل ہیں کہ ان تین حالات میں حضرت ابراہیم پر کذب کا اطلاق عصمت نبوی کے خلاف ہرگز مؤثر نہیں ہو سکتا اور نہ ان قرآنی آیتوں کے منافی ہو سکتا ہے جن میں ان کی صدیقیت کی تعریف کیگئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے کہ ان تین مقامات پر جو حدیث میں کذب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ توریہ اور مجاز کی قسم سے ہے جو زبان عرب میں بہت مستعمل ہے۔ یا ان اسباب کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے جن کو ہم نے ابھی ذکر کیا۔

ہاں اگر حدیث کسی رسول کیطرف بغیر حقیقت ظاہر کرنیوالی تعیین کے کسی جھوٹ کی نسبت کردے تو معترض کیلئے گنجائش ہے لیکن حضرت ابراہیم کے متعلق تو حقیقت بیان کرنیوالی تعیین موجود ہے۔ پھر ہر زبان میں اکثر فصیح اصحاب بہت سی ایسی عبارتیں لاتے ہیں جو ظاہری صورت کے اعتبار سے طعن اور ذم کا وہم پیدا کرتی ہیں حالانکہ باطنی اور معنوی طور پر بڑی مدح اور بہترین ثنا کا مفہوم ظاہر کرتی ہیں۔ جیسا کہ عربی شاعر کہتا ہے ؎

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم + بھن فلول من قراع الکتائب

(ترجمہ) ان میں کوئی عیب نہیں مگر ان کی تلواریں دشمن کی فوجوں پر چلنے سے کند اور دندانہ دار ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تلوار کا کند ہو جانا اور دھار کا ٹوٹ جانا عیب و ذم ہے۔ لیکن اس جگہ مدح بن گیا ہے۔ کیونکہ بے شمار دشمنوں کو قتل کرنے اور خود و زرہ کو کاٹنے کی وجہ سے تلوار کند ہوئی ہے۔ لہٰذا اس قوم کی بہادری کی بہترین تعریف ہوئی۔

یہی حالت ان احادیث میں کذب ابراہیم کی ہے کہ بظاہر کذب کی وجہ سے کوتاہیوں کو ذم سا معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل اس میں حضرت ابراہیم کی مزید تعریف نکلتی ہے۔

اس ظاہری اور باطنی معنی کے اختلاف کے متعلق ابن جنی اور دوسرے اہل زبان و اہل بلاغت مصنفین نے مستقل ابواب تحریر کئے ہیں۔ جنکو لطف انداز نہیں کرنا چاہئے۔

خدا کے فضل سے جو کچھ اوپر لکھا گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث کتاب اللہ کے بالکل موافق ہے۔ اور بحمداللہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ احادیث صحیحہ ہرگز ظنی نہیں ہیں۔ تمام اعلام اہل علم سے بالاتفاق منقول ہے کہ جو حدیث صحیح ہوگی وہ قرآن کے قطعاً معارض نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اسکی ایک مثال ہم نے پیش کر دی۔ تاکہ ان لوگوں پر ایک کھلی ہوئی دلیل قائم ہو جائے جو حدیث سے اعراض کرتے ہوئے صرف قرآن پر اکتفا کرتے ہیں اور اس طرح نہایت بیباکی سے شریعت اسلامی کے اصول میں سے ایک اصل کو گرا دیتے ہیں جو قطعی حرام ہے۔ (الفتح مصر)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

(از مولوی محمد سلیمان صدیقی بستیاوی متعلم رحمانیہ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۶۱ھ بمقام حلوان مضافات مصر میں ہوئی ان دنوں آپ کے والد مصر کے گورنر تھے آپ کی والدہ ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب تھیں آپ ۹۹ھ میں تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے اور دو برس پانچ ماہ تک امور خلافت کو انجام دیکر ۱۰۱ھ میں زہر دینے کی وجہ سے اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

آپ پیکر زہد و اتقا تصویر عدل و انصاف اور مجسمہ حلم و بردباری تھے آپ کے اخلاق حمیدہ اور طریقہ سیاست کی خوبیاں تاریخ میں فخر کی روشنائی سے تحریر